Chapter-3

باب سوم

۱۔ دینی تعلیم

۲۔ وادیٔ صحافت

۳۔ ادبی تصانیف

۴۔ سیاسی کردار

۵۔ وفات

باب سوم

دینی تعلیم :

مولانا آزاد کی پیدائش مکہ معظمہ کی پاک سر زمین پر ہوئی۔ وہیں انھوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ان کی مادری زبان عربی تھی۔ابتدا میں انھوں نے اپنی خالہ سے پڑھ کر قرآن شریف ختم کیا۔جب انکا خاندان کلکتے آ گیا توانہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ بعد ازاں انھوں نے مختلف علماء سے بھی دینی تعلیم حاصل کی۔ عبدالرزاق ملیح آبادی مولانا آزاد کی ابتدائی دینی تعلیم کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"خلاصۂ ہندی، مصدرفیوض، اجرومیه، میزان منشعب،نحومیر، صرف میر،آمدنامه، گلستاں، بوستاں اور کنزاں پڑھیں۔ عربی اور منطق کا سبق اپنے والد کے ایک مرید مولوی یعقوب سے لیتے رہے۔ان ہی سے قطبی، شرح ملاّ اور مختصر المعانی کا درس لیا۔ فقہ میں کنزالدقائق،شرح وقایه،هدایه اور مشکوٰۃ اور جلالین،مطول اپنے نانا ہی سے پڑھتے رہے۔مطول ،شمس بازغه اور رشیدیه کا درس مولوی عبدالحق خیر آبادی کے ایک شاگرد مولوی نذرالحسن سے بھی لیا۔ بیضاوی اور جلالین کے کچھ حصے بھی ان سے پڑھتے رہے۔مولوی محمد عمر سے بھی بیضاوی کا درس لیا۔مدرسۂ عالیہ کلکتہ کے مدرس دوم مولانا سعادت حسین سے شرح تحیته الفکر پڑھی۔ مولانا محمد شاہ رام پوری کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا۔" (۱)

مولانا آزاد نے اپنے والد کے علاوہ مختلف علما اور اپنے قریب ترین معاصر بزرگوں سے کسب فیض حاصل کیا تھا۔ انھوں نے ان بزرگ علماء کے توسط سے قرآن ،حدیث،علم الکلام اور فقہ کا غائر مطالعہ کیا۔مولانا کی تعلیم گھر پر ہی متعدداساتذہ کے ذریعے بہت سخت ماحول میں درس نظامی کے مطابق ہوئی۔انھوں نے باضابطہ کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ مولانا آزاد اپنے والد کے طریقۂ تعلیم پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"والد مرحوم طریقۂ تعلیم یہ تھا کہ ہر علم میں سے پہلے کوئی ایک مختصر متن حفظ کر

---

(۱) آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ۔ بہ روایت عبدالرزاق ملیح آبادی (ص ص ۱۹۰ ۔ ۱۸۹)

لینا ضروری سمجھتے تھے۔فرماتے تھے کہ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے خاندان کا طریقۂ تعلیم ایسا ہی تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں فقہ، اکبر، تہذیب، خلاصۂ ہمدانی وغیرہ ہا برزبان حفظ کر لیں تھیں"(۲)

مولانا آزاد نے عرب کے مشہور و معروف علماٗ کی صحبت ،ان کی علمی مجلسوں میں شرکت اور ان سے تبادلۂ خیال کی وجہ سے نہ صرف عربی زبان و ادب پر عبور حاصل کر لیا بلکہ علم کے بلند معیاروں کو چھو لیا ۔ انہیں اپنے والد کی وجہ سے بچپن ہی سے منطق اور فلسفہ سے بھی دلچسپی ہو گئی تھی۔ اس سلسلے میں وہ خود فرماتے ہیں۔

" طالب علمی کے زمانے سے فلسفہ میری دلچسپی کا خاص موضوع رہا ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ یہ دلچسپی برابر بڑھتی چلی گئی"(۳)

بچپن ہی سے مولانا آزاد کے ذوق مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر وقت کتابیں اپنے ساتھ رکھتے اور جہاں کہیں موقع ملتا اور پرسکون جگہ میسر آتی ،وہ مطالعہ میں غرق ہو جاتے۔ ابتدا ہی سے مولانا نے متعدد مذہبی کتابوں اور دیگر علوم کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور ساتھ ہی ترجمہ کا کام بھی شروع کردیا تھا۔ان ترجموں میں جلال الدین سیوطی کا ایک عالمی رسالہ"**انیس الحبیب فی خصائل الحبیب**" اور امام غزالیؒ کی کتاب" **منهاج العابدین**" کا ترجمہ قابل ذکر ہین۔ اپنی کم سنی ہی میں انھوں نے رشید رضاؔ کی فصیح و بلیغ عربی تقریر کا ترجمہ اتنی ہی فصیح و بلیغ اردو میں کرکے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا اور دونوں زبانوں میں اپنی مہارت کا لوہا منوایا تھا۔

مولانا آزاد کا خاندان پیری مریدی سے تعلق رکھتا تھا۔ ان کے والد چاہتے تھے کہ وہ بھی اس سلسلے کو آگے بڑھائیں،لیکن مطالعے کی وسعت اور غوروفکر سے انھوں نے صداقت اصلی کو پالیا تھا۔وہ اپنے موروثی عقائد سے نہ صرف متنفر ہو گئے بلکہ فکر کی تمام بندشوں سے آزاد بھی ہو گئے۔چنانچہ لکھتے ہیں ۔

"شکوک اور کاوش نے مزید وسعت اختیار کی۔۔۔شک کی یہی چبھن تھی جو تمام آنے والے یقینوں کے لئے دلیل راہ بنی ۔۔۔اور بالآخر اسی کی رہنمائی تھی جس نے یقین اور طمانیت

(۲) تلاش آزاد ۔ عبدالقوی دسنوی (ص ۔ ۱۴)
(۳) غبار خاطر (ابوالکلام آزاد) مرتبہ مالک رام (ص۔ ۳۶)

کی منزل مقصود تک پہنچا دیا۔"(۴)

دینی علوم کے غائر مطالعے اور مختلف علماء و مفکرین کی صحبت کے نتیجے میں مولانا آزادؔ نے سچی مذہبیت کا سراغ پا لیا تھا اور تقلید وجمود کی بندشوں سے آزاد ہوگئے۔ کچھ دنوں تشکیک و اضطراب میں مبتلا ہوکر وہ راہ حق سے ضرور بھٹک گئے تھے لیکن رفتہ رفتہ صحیح راستے پر آگئے اور اپنے یقین و اعتقاد پر مضبوطی سے جم گئے۔

وادئ صحافت:

مولانا آزادؔ ایک علمی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔صرف دس سال کی عمر میں وہ شعر کہنے لگے تھے۔ لیکن بہت جلد انھوں نے اپنے خیالات و جذبات کے اظہار کے لئے شاعری کی تنگنائے سے نکل کر نثر کے وسیع میدان میں قدم رکھ دیا۔انھوں نے بچپن ہی سے چھوٹے چھوٹے نثری مضامین لکھنا شروع کر دیا تھا۔وہ ملک سے نکلنے والے تمام اخبارات و رسائل کا دلچسپی سے مطالعہ کرتے تھے۔اس زمانے کے مختلف رسائل و جرائد نے ان کے مضامین کو اپنے صفحات میں نمایاں جگہ دی،جس کی وجہ سے ان کی طبیعت خوشی سے سرشار ہو گئی۔بعد ازاں انھوں نے کئی رسالوں میں ادارت کے فرائض انجام دئے، کئی رسالوں میں نائب مدیر کی حیثیت سے کام کیا اور خود بھی بہت سے ادبی و سیاسی رسالے جاری کئے۔

نیر نگ عالم: یہ مولانا آزادؔ کا پہلا رسالہ ہے جو انھوں نے ۱۸۹۹ء میں صرف گیارہ سال کی عمر میں شائع کیا تھا۔ لیکن یہ اخبار سات آٹھ ماہ جاری رہنے کے بعد بند ہو گیا۔

المصباح : ۱۹۰۰ء میں مولانا آزادؔ نے یہ ہفت روزہ جاری کیا۔ یہ اخبار بھی تین چار ماہ سے زیادہ نہ نکل سکا لیکن اس اخبار کی اشاعت نے ان کی نثری تحریر کی شناخت قائم کردی۔عبد القوی دسنوی اس اخبار کے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔

"اس ہفتہ وار (المصباح) نے مولانا آزادؔ کو نثری میدان میں لا کھڑا کیا۔ ان کی پہلی نثری تحریر "عید" اسی ہفتہ وار میں شائع ہوئی تھی۔اس کے بعد ہی ان کی نثری تحریریں ملک کے مختلف رسائل و اخبارات میں شائع ہونی شروع ہوئیں"(۱)

---

(۴) انتخاب تذکرہ (مولانا ابوالکلام آزادؔ) مرتبہ پروفیسر محمود الہٰی (ص۔ ۱۱۸)

(۱) مولانا ابوالکلام محی الدین احمد آزادؔ دہلوی (مختصر سوانح حیات) عبدالقوی دسنوی (ص ۔ ۲۴)

احسن الاخبار: ۱۹۰۱ء میں جناب احمد حسین کی ادارت میں کلکتے سے یہ اخبار نکلتا تھا۔ مولانا آزاد اس اخبار سے منسلک ہو گئے۔اس میں ان کے کئی مضامین شائع ہوئے اور انھوں نے احمد حسین صاحب کی فرمائش پر اس اخبار کی ادارت کے فرائض بھی انجام دئے۔

خدنگ نظر : ۱۸۹۷ء میں منشی نوبت رائے نظر نے لکھنؤ سے یہ رسالہ جاری کیا تھا۔اس ماہنامہ میں مولانا آزاد نے نثری حصے کو ترتیب دینے کا کام انجام دیا تھا۔یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا درس نظامی کی تکمیل کر رہے تھے لیکن اس زمانے میں بھی انھوں نے اپنی تحریری صلاحیتوں کے ذریعے یہ ثابت کر دکھایا کہ وہ صحافت سے باخبر ہیں۔عبدالقوی دسنوی اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"خدنگ نظر ،احسن الاخبار ،مخزن ،اپنچ،تحفۂ احمدیہ وغیرہ ایسے ہی جریدے تھے جن میں مولانا آزاد کی تحریریں جگہ پانے لگی تھیں اور آزاد دنیائے اردو میں روشناس ہونے لگے تھے۔"(۲)

لسان الصدق: ۱۹۰۳ء میں مولانا آزاد نے "لسان الصدق" جاری کیا تب ان کی عمر پندرہ سال تھی ۔اس زمانے میں ان کے دل و دماغ پر سر سید احمد خان کا گہرا اثر دکھائی دیتا ہے۔انھوں نے اس رسالہ کے ذریعے سر سید احمد خان کے مقاصد کی تبلیغ بھی کی اور ان کے خلاف لکھنے والوں کی مذمت بھی کی ۔اس رسالے کے چار مقاصد تھے جو حسب ذیل ہیں ۔

ا-سوشیل ریفارم یعنی مسلمانوں کی معاشرت اور رسومات کی اصلاح

۲-ترقی اردو یعنی اردو زبان کے علمی لٹریچر کے دائرے کی توسیع

۳- علمی مذاق کی اشاعت خصوصاً بنگالہ میں

۴- تنقید یعنی اردو تصانیف پر منصفانہ ریویو

مذکورہ چار مقاصد میں سے تین کا تعلق اردو زبان و ادب کی ترقی سے تھا۔ انہوں نے اس دور میں فن اخبار نویسی ،علوم جدیدہ اور اسلام کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ،سائنس اور دیگر علوم سے متعلق کئی موضوعات پر مضامین لکھے جن سے ان کی صحافتی باخبری نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آگئی۔ "لسان الصدق"کی مقبولیت اور مولانا آزاد کی عالمانہ نقدونظر پر تبصرہ کرتے ہوئے عبدالقوی

---

(۲) مولانا ابوالکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی (مختصر سوانح حیات) عبدالقوی دسنوی (ص ۔ ۲۴)

دسنوی لکھتے ہیں۔
"اس کے (لسان الصدق کے) معتبر مضامین ،فکر انگیز تحریریں ،وقتی مسائل سے دلچپی ،سماجی خرابیوں کی طرف توجہ ،علمی مذاق کی تشریح،معیاری تبصرے کا عالمانہ نقد و نظر کچھ اس انداز سے سامنے آئے کہ ہر طرف سے واہ واہ اور نعرۂ تحسین بلند ہوئے۔۔۔معاصر اخبارات ورسائل میں اس کے چرچے ہونے لگے اور اس کی تعریف و توصیف کی جانے لگی"(۳)

مولانا آزاد نے صرف پندرہ سال کی عمر میں دنیائے صحافت میں اپنا باقاعدہ مقام متعین کر لیا تھا۔اتنی کم عمر میں انہوں نے اتنی زیادہ کامیابی اور شہرت حاصل کرلی تھی کہ ارباب فکرو نظر انہیں سن رسیدہ بزرگ سمجھنے لگے تھے ۔اسی زمانے میں انہیں عراق کا سفر درپیش آیا اور لسان الصدق تقریباً ایک سال تک جاری رہنے کے بعد بند ہو گیا۔اس کے بعد مولانا "دارالسلطنت" اور "ریویو"سے بھی منسلک رہے۔ اسی زمانے میں ان کی ملاقات علامہ شبلی ، حالی اور دوسرے بزرگوں سے ہوئی۔ علامہ شبلی نعمانی نے ان کی حیرت انگیز صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ کر لیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے مولانا آزاد کو اپنے اخبار میں کام کرنے کے لئے مدعو کیا۔

النّدوہ : علامہ شبلی کی دعوت پر مولانا آزاد ان کے مشہورومعروف اخبار "الندوہ"سے منسلک ہو گئے لیکن تھوڑی ہی مدت میں کسی وجہ سے وہ اس اخبار سے الگ ہو گئے۔

وکیل: یہ امرتسر سے شائع ہوتا تھا۔ ۱۹۰۶ء میں مولانا آزاد "الندوہ"سے الگ ہوکر اس ہفت روزہ اخبار سے منسلک ہو گئے ۔اس اخبار میں انھوں نے کافی دنوں تک کام کیا۔

اس زمانے میں مولانا آزاد کے انداز فکر میں تبدیلی آچکی تھی ۔وہ سرسید احمد خان کی مذہبی فکر اور عقلیت پرستی سے اپنا دامن چھڑا چکے تھے۔ چنانچہ انھوں نے فکر سرسید کے برعکس برطانوی نظام کے خلاف جہاد کرنے کا فیصلہ کیا۔اسی مقصد کے تحت انھوں نے وادیٔ سیاست میں قدم رکھ دیا اور "الہلال" جاری کیا۔

الھلال: مولانا آزاد نے ۱۳،جولائی ۱۹۱۲ء کو ہفت روزہ "الہلال"کا پہلا شمارہ شائع کیا تھا۔اس رسالے کے ذریعے وہ مسلمان نوجوانوں کے ذہنوں کو پلٹ کر انھیں ایک نیا انداز فکر دینا چاہتے تھے اور ان کے دلوں میں آزادی کی گرمی بھر دینا چاہتے تھے۔ "الہلال"میں انھوں نے انتہائی بلیغ

---

(۳) لسان الصدق ۔ مرتب عبدالقوی دسنوی (ص ۔ ۹)

انداز میں مسلمانوں کو ہندوؤں کے دوش بدوش جنگ آزادی میں شرکت کی اپیل کی۔مولانا آزاد جیّد عالم دین تھے اور اسلامیات پر ان کی گہری نظر تھی۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کو انگریزوں کے رحم و کرم پر جینے کو لعنت بتا کر انھیں مجاہد بننے پر اکسایا۔عبدالماجد دریابادی اس سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

" "الہلال" بظاہر ایک سیاسی پرچہ تھا لیکن اس کی دعوت تمام تر دینی رنگ میں تھی اور اس کی سیاست پر بین المِلّی اسلامیت کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔"(۴)

مولانا آزاد نے "الہلال" میں قارئین کی فرمائشوں اور ضرورتوں کو مدّ نظر رکھ کر نہ صرف ہندوستانی سیاست بلکہ بین الاقوامی سیاست اور دیگر مختلف موضوعات پر بھی بحث کی۔جس کی وجہ سے "الہلال"لوگوں میں بہت مقبول ہوا اور اس نے بہت کم وقت میں ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی حالت میں ایک نئی حرکت پیدا کردی۔اس اخبار کے متعلق حامد حسین قادری لکھتے ہیں۔

"الہلال کلکتہ (بادارت ابوالکلام آزاد)اخبار و رسالہ کی درمیانی جنس یعنی ہفتہ وار مجلّہ تھا جس کی وضع،معیار،ادبیت اور صحافت سب کی تعریف میں ایک لفظ "شاندار"کافی ہے"(۵)

"الہلال "کی مقبولیت نے مولانا آزاد کی شہرت میں چارچاند لگادئے اور وہ اس ہفتہ وار مجلّہ کی اشاعت سے باقاعدہ "مولانا" تسلیم کئے جانے لگے۔ بقول عبدالماجد دریابادی "الہلال نکلتے ہی ابوالکلام آزاد مسلمہ طور پر مولانا ہو گئے اور شہرت کے پروں پر اڑنے لگے "(۶)

"الہلال" کی اشاعت مولانا آزاد کی ایک سوچی سمجھی اسکیم تھی جس نے فرنگی حکومت کی بنیادیں متزلزل کر دیں۔حکومت کے خوفزدہ ہونے کا ردّ عمل یہ ہوا کہ بنگال کی گورنمنٹ نے "الہلال" کے مضامین کو قابل اعتراض قرار دے دیا اور دو ہزار کی ضمانت ضبط کر لی۔مولانا آزاد ضمانتوں پر ضمانتیں جمع کرواتے رہے لیکن ان کی انتہائی کوششوں کے باوجود گورنمنٹ بنگال نے "الہلال"کی اشاعت روک دی۔اگرچہ "الہلال "کی عمر چار ماہ سے زیادہ نہیں تھی لیکن اس کی آواز ہندوستانی فضا میں گونجتی رہی اور مولانا آزاد دنیائے سیاست وصحافت دونوں پر چھاگئے۔

(۴) آئینہ ابوالکلام آزاد۔ عتیق صدیقی (ص۔۵۱)

(۵) داستان تاریخ اردو۔ مولف حامد حسین قادری (ص۔۷۹۳)

(۶) آئینہ ابوالکلام آزاد۔عتیق صدیقی (ص۔۵۱)

البلاغ: "الہلال "بند ہو جانے کے بعد مولانا نے ۱۲ ،نومبر ۱۹۱۵ء کو "البلاغ "جاری کیا۔یہ "الہلال" ہی کا دوسرا رخ تھا۔"الہلال "میں انہوں نے سیاسیات پر زور دیا تھا۔ اس کے برعکس انہوں نے "البلاغ"کو مذہبی تبلیغ کا ذریعہ بنایا ۔ عبدالقوی دسنوی "البلاغ" کے موضوعات اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"شذرات ،احراراسلام ،مواعظ و خطب ،بصائروحکمت ،تاریخ عبر ،مقالات،باب التفسير ،اسوئه حسنه ،مراسلات،آثار عتيقه،المراسله و المناظره،مختارات تذكار مقدس،بريدفرنگ،مشئون اسلاميه ،اسئله واجوبتها وغیره"(۷)

اس زمانے میں مولانا کو کلکتہ چھوڑ کر رانچی جانا پڑا اور ۳ اپریل ۱۹۱۶ء کو البلاغ بند ہو گیا۔

پیغام: ۲۳ ستمبر ۱۹۲۱ء میں عبدالرزاق ملیح آبادی کی ادارت میں پیغام جاری ہوا۔ اس اخبار میں مولانا آزاد نگراں تھے۔اس دور میں تحریک خلافت کے بعد مسلمانوں میں سیاسی بیداری کی لہر دوڑ چکی تھی اور مولانا آزاد کی تحریریں ان کے دلوں پر برابر اثر انداز ہو رہی تھیں ۔عبدالرزاق ملیح آبادی کی گرفتاری کی وجہ سے یہ اخبار بہت جلد بند ہو گیا۔

الجامعہ: ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا ۔یہ عربی رسالہ تھا اسکے مدیر عبدالرزاق ملیح آبادی اور نگراں مولانا آزاد تھے ۔ڈاکٹر عابد رضا بیدار کے بیان کے مطابق "اس کا مقصد اتحاد اسلامی (پان اسلامزم)اور اتحاد مشرق تھا اور فوری طور سے شریف حسین کے خلاف اور گویا تحریک خلافت کے سلسلے میں نکالا گیا تھا"(۸)

پیام: ۱۹۲۷ء میں مولانا آزاد نے کلکتہ سے جاری کیا۔ اس کے مدیر عبدالرزاق ملیح آبادی تھے ۔ابو سلمان شاہ جہاں پوری کا خیال ہے کہ "پیام"جنوری ۱۹۲۷ء کے بعد نکلا اور جون ۱۹۲۷ء میں جب الہلال نکلا تو پیام اس سے پہلے بند ہو چکا تھا "(۹)

الهلال کی دوبارہ اشاعت : ۱۰ جون ۱۹۲۷ء کو مولانا آزاد نے دوبارہ الہلال جاری کیا لیکن چھ ماہ کی مدت میں پھر بند ہو گیا۔اس زمانے میں ہندوستان زبر دست سیاسی بحران سے گذررہا تھا۔ چنانچہ

---

(۷) مولانا ابوالکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی (مختصر سوانح حیات) عبدالقوی دسنوی (ص ۔ ۳۹)
(۸) مولانا ابوالکلام آزاد۔ شخصیت اور کارنامے مرتبہ خلیق انجم (ص ۔ ۱۱۰)
(۹) ایضاً (ص ۔ ۱۱۰)

اس دورانتشار میں مولانا اپنی انتہائی سیاسی مصروفیات کی وجہ سے صحافت کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکے اور انہیں مجبوراً عملی صحافت کو خیر باد کہناپڑا۔

۳.ادبی تصانیف:

مولانا آزادبہت بڑے اہل قلم اور عظیم شخصیت کے مالک تھے ۔ان کی تصانیف کا سلسلہ بے حد طویل ہے۔انہوں نے گوناگوں موضوعات پر اپنی تصنیفات و تالیفات پیش کرکے ادب کے دامن کو جو ہر علم و ادب سے معمور کیا ہے۔ ان کی ادبی تصانیف درج ذیل ہیں۔

تذکرہ: ۱۹۱۶ء میں مولانا آزاد نے رانچی نظر بندی کے دوران یہ کتاب لکھی۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنا سلسلۂ نسب تفصیل سے قلمبند کیاہے۔"تذکرہ" دو جلدوں میں ہے۔پہلی جلد مولانا آزاد نے خود لکھی اور دوسری جلد انہوں نے اپنے قریبی دوست عبدالرزاق ملیح آبادی سے لکھوائی۔ وہ اپنے حالات زندگی بیان کرتے جاتے اور عبدالرزاق ملیح آبادی اسے ضبط تحریر میں لاتے۔

آزاد کی کہانی- , خود آزاد کی زبانی :(بہ روایت ملیح آبادی)اس کتاب کو مولانا آزاد نے ۱۹۲۱ء میں اپنی نظر بندی کے دوران عبدالر زاق ملیح آبادی کے اصرار پرخود انہی سے لکھوائی۔ یہ کتاب بہت اہم ہے۔ اس میں مولانا آزاد نے اپنے والد مرحوم کے حالات کے ساتھ خود اپنے حالات بھی چار سال کی عمر سے لکھوائے ہیں۔ اس کتاب سے ان کی زندگی کے بارے میں بہت سی معلومات فراہم ہوتی ہیں۔

تحریك آزادی : یہ مولانا آزاد کی خود نوشت سوانح عمری ہے۔اس کتاب میں ان کی زندگی کے مختلف حالات و واقعات تفصیل بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب " انڈیاونس فریڈم" کا اردو ترجمہ ہے۔۱۹۵۶ء میں پروفیسر ہمایوں کبیر نے مولانا کو اس بات پر آمادہ کر لیاکہ وہ فرصت کے اوقات میں ان کے بیانات انگریزی میں قلمبند کرتے رہیں۔چنانچہ پروفیسر ہمایوں کبیر ایک ایک باب لکھ کر انہیں دکھاتے جاتے اور مولانا اس پر نظر ثانی کرکے ضرورت کے مطابق اصلاح کر دیتے۔ مولانا آزادنے اسی کتاب سے وہ تیس صفحات الگ نکال لئے تھے جسے انہوں نے بڑی حد تک ذاتی اور شخصی محسوس کئے تھے۔ یہ کتاب انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں شائع ہو چکی ہے۔

ملفوظات آزادؔ: یہ مولانا آزادؔ کے مختلف سوالات کے جوابات کا مجموعہ ہے۔ دراصل یہ ایک قسم کی یاد داشتیں ہیں۔ حکیم محمد اجمل خان نے ان یادداشتوں کو اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا اور بعد میں اسے ترتیب دے کر کتابی شکل میں شائع کر دیا۔

نگارشات آزادؔ: مولانا آزادؔ کے مختلف موضوعات پر مشتمل ۲۶ مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں خصوصاً مذہبی مضامین شامل ہیں۔

خطبات آزادؔ: یہ کتاب دوجلدوں میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مولانا آزادؔ کے وہ خطبات شامل ہیں جو انھوں نے مختلف مقامات پر قوم کی بیدار ی کے لئے دئے تھے۔ ان خطبات کو یکجا کرکے مالک رام نے ساہتیہ اکادمی دہلی سے شائع کیا۔

فلسفہ: ۱۹۴۷ء میں دہلی میں ایک ایجوکیشن کانفرنس میں مولانا آزادؔ نے مشرقی و مغربی فلسفے کی نئی تاریخ ترتیب دینے کے سلسلے میں چند تقاریر کی تھیں جسے ایجوکیشن بورڈ نے کتابی شکل میں مرتب کی۔ اس کتاب کا اصل متن اسی تاریخ کا دیباچہ ہے جسے محمد وارث کامل حسین نے اردو میں منتقل کیا۔ انھوں نے اس کتاب میں اصل متن کے ساتھ ان مباحث کو بھی شامل کیا ہے جو مولانا آزادؔ نے غبار خاطر اور ترجمان القرآن میں بیان کی تھیں۔

قول فیصل: اس کتاب میں مولانا آزادؔ کے وہ بیانات شامل ہیں جو انھوں نے اپنی گرفتاری اور مقدمے کے سلسلے میں گورنمنٹ کے استغاثے میں جواب دئے تھے۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں ان کی گرفتاری کی روداد کے ساتھ مقدمے کی ساتوں پیشیاں اور عدالت کے فیصلے کی تفاصیل بھی شامل ہیں۔

مسئلۂ خلافت اورحزیرۃ العرب: اس کتاب میں مولانا آزادؔ نے خلافت کا اسلامی تصور اور اس کے معنی و مفہوم کو سمجھایا ہے اور ساتھ ہی اسلامی خلافت کی مفصل تاریخ بھی بیان کی ہے۔

البیرونی اور جغرافیۂ عالم: یہ مولانا آزادؔ کا وہ مقالہ ہے جس پر ان کا نام درج نہیں ہے لیکن اس مخطوطے پر جگہ جگہ ان کی اصلاحیں موجود ہیں۔ اس مقالے کی تلاش جناب مسیح الحسن فاروقی اور جناب ضیاءالحسن فاروقی نے آزاد بھون کی لائبریری سے کی تھی اور کافی چھان بین کے بعد انہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ مولانا آزادؔ کی مستقل تصنیف ہے۔

خطوط نگاری: مولانا آزادؔ کی خطوط نگاری کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک تو ان کے

وہ خطوط جو انہوں نے سیدھی سادی زبان میں اپنی ضرورت کے لئے لکھے ۔ ان کی ادبی حیثیت زیادہ نہیں ہے۔اس کے برعکس انہوں نے "غبار خاطر" میں جو خطوط لکھے وہ دراصل خطوط کے پردے میں انشایئے کہے جاسکتے ہیں۔اردو ادب کی تاریخ میں "غبار خاطر" میں شامل خطوط کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

غبار خاطر: یہ مولانا آزادؔ کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو احمد نگر جیل میں انہوں نے اپنے دوست مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کو لکھے تھے ۔ ان خطوط کو وہ شائع نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن اپنے پرائیوٹ سکریٹری محمد اجمل خان کے اصرار پر یہ خطوط کتابی شکل میں "غبار خاطر" کے نام سے شائع ہوئے ۔ "غبار خاطر" کے خطوط کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ادبیت بھی پائی جاتی ہے اور ان خطوط میں مولانا آزادؔ نے اشعار کا استعمال بھی کثرت سے کیا ہے۔ان کی اس تحریر کو شاعرانہ نثر کہا گیا ہے۔

کاروان خیال: یہ ان خطوط کا مجموعہ ہے جو مولانا آزادؔ نے احمد نگر کی گرفتاری سے پہلے مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کے نام لکھے تھے۔اس کتاب میں خطوط کی تعداد کم ہے اور زیادہ تر رسیدی رقعے ہیں۔

نقش آزادؔ : یہ مولانا آزادؔ کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اپنے قریبی عقیدت مند مولانا غلام رسول مہرؔ کو لکھے تھے جسے مولانا مہرؔ نے کتابی شکل میں شائع کردیا ۔ یہ مجموعہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔اس کے پہلے حصے میں غلام رسول مہرؔ کے نام ۱۸۰ خطوط ہیں۔دوسرے حصے میں مرزاغالبؔ پر مولانا آزادؔ کے مضامین ہیں اور تیسرے حصے میں مولانا آزادؔ کے متفرق خطوط شامل ہیں۔

تبرکات آزادؔ: اس میں مولانا آزادؔ کے وہ خطوط شامل ہیں جو انہوں نے مختلف دانشوروں کے نام لکھے تھے جن میں حالیؔ، شبلیؔ ،سید سلیمان ندوی وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ مولانا غلام رسول مہرؔ نے اس مجموعہ کو مرتب کر کے شائع کروایا۔

نوادر ابو الکلام : ظہیر احمد خاں ظہیرؔ نے اپنے دادا سردار محمد اکبر خان کے نام مولانا آزادؔ کے خطوط کا ایک مختصر مجموعہ "نوادرابوالکلام" کے نام سے مرتب کرکے پاکستان سے شائع کیا۔

مکاتیب ابوالکلام آزادؔ : یہ مولانا کے ان متفرق خطوط کا مجموعہ ہے جسے ڈاکٹر ابو سلمان شاہ

جہاں پوری نے مرتب کر کے اردو اکادمی سے شائع کیا۔

مولانا ابوالکلام آزادؔ کے نام ادبی خطوط و جوابات آزادؔ: یہ کتاب زبان وادب سے متعلق مولانا آزادؔ کے جوابات پر مشتمل ہے۔اس کتاب کو محمد اجمل خان نے مرتب کر کے شائع کیا تھا۔ اس میں وہ خطوط بھی شامل ہیں جو اس سے قبل مولانا کے مکاتیب کے مجموعوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

دینی تصانیف: (ترجمان القرآن):

یہ مولانا آزادؔ کی عظیم ترین تصنیف ہے۔انہوں نے اس کتاب میں قرآن حکیم کی تفسیر بیان کی ہے اور آیات قرآنی کے مفہوم کو اس سادگی ،سلاست او رروانی سے بیان کیا ہے کہ ان کی یہ تصنیف شاہکار بن گئی ہے۔اس کتاب میں رحمت ، ربوبیت اور عدالت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ترجمان القرآن کے آئینے میں مولانا آزادؔ کی علمی ،دینی اور ادبی شخصیت پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔اس کتاب میں وہ صرف قرآن کے اٹھارہ پاروں کی تفسیر لکھ سکے تھے کہ سیاسی مصروفیات نے انہیں گھیر لیا ۔ان کے انتقال کے بعد دلی ساہتیہ اکادمی نے چار جلدوں میں "ترجمان القرآن" کو بڑے اہتمام سے شائع کیا۔

مولانا آزادؔ زبردست عالم دین تھے۔ چنانچہ انہوں نے دینیات پر بہت کچھ لکھا اور ان کی متعدد کتابیں شائع ہوئیں جن میں "ترجمان القرآن " کے علاوہ (۱) **اتحاد اسلامی (۲) لیلتہ القدر(۳) عیدین(٤) مقام دعوت(٥) الحرب فی القرآن (٦) اولیاء الله اور اولیاء الشیطان(۷)حجت ابراهیمی (۸) ولادت با سعادت (۹)خطبۂ احیا ئے ملّت(۱۰)حقیقت الصلٰوة (۱۱)حقیقت الزکوٰة(۱۲)حقیقت الصّوم(۱۳) حقیقت الحج (١٤) مسلمان عورت (۱۵) شهید اعظم(١٦) خون شهادت کے دو قطرے (۱۷)سرمد شهید (۱۸)مسلمان اور کانگرس (۱۹)افسانۂ هجرو وصال (۲۰)میرا عقیده(۲۱)جامع الشواهدفی دُخول غیر المسلم فی المساجد (۲۲) انسانیت موت کے دروازے پر اور (۲۳) تصریحات آزادؔ** وغیرہ تصانیف خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

مولانا آزادؔ نے اپنی مذکورہ مستقل تصانیف کے علاوہ بہت سے مشہور ادیبوں اور شاعروں کی کتابوں پر مقدمے ، دیباچے اور تقریظیں بھی لکھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جب تک

اس دنیائے فانی میں رہے اپنے تجربات اور رہنمائی سے اس نسل اور عہد کو مستفید فرماتے رہے۔ آج مولانا ہم میں نہیں ہیں، پھر بھی آئندہ نسلوں کے لئے انہوں نے اتنا کچھ علمی و ادبی ذخیرہ چھوڑا ہے کہ وہ کسی عہد میں فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔

٤. سیاسی کردار :

مولانا آزاد نے جب ہوش سنبھالا وہ ہندوستان کی غلامی کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں ایک طرف برطانوی سامراج ہندوستان کے استحصال کے ساتھ اپنی حکومت کو مضبوط کرنے میں مصروف تھا اور دوسری طرف غلام قوم آزادی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کررہی تھی۔ اس سلسلے میں قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں۔

"مولانا نے جب شعور اور سمجھ کی دنیا میں قدم رکھا تو وہ ان کا عنفوان شباب تھا اور ہندوستان ہی نہیں بلکہ عالم اسلام میں سیاسی، تاریخی اور ثقافتی بے چینی کا ہنگامہ خیز منظر دیکھنے کو ملا۔ مولانا آزاد کے ذہنی افق پر صرف محدود ہندوستان ہی کے حالات نہیں تھے بلکہ پوری اسلامی دنیا اور ایشیا و افریقہ کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔" (ا)

مولانا آزاد ابھی سولہ سترہ سال ہی کے تھے کہ ان پر انقلابی جذبہ غالب آچکا تھا۔ وہ ابتدا میں سر سیّد احمد خان سے متاثر تھے۔ ان کے مجتہدانہ خیالات اور ان کی ترقی پسندانہ طرز فکر انہیں سیاسی میدان میں کھینچ لائی لیکن بہت جلد وہ سرسید احمد خان کی عقلیت پرستی سے بیزار ہوگئے۔

۱۹۰۵ء میں تقسیم بنگال سے پیدا ہونے والی سیاسی صورتحال سے نبرد آزما ہونے کے لئے خفیہ انقلابی جماعتیں کام کررہی تھیں۔ انقلابی رہنما مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور آزادی کی راہ میں رکاوٹ سمجھ کر انہیں راستے سے ہٹانا چاہتے تھے۔ ایسے نازک وقت میں مولانا آزاد نے انقلابی رہنماؤں سے ملاقات کی۔ ان سے تبادلہ خیال کرکے ان کے دلوں میں اپنا مقام بنالیا اوراس تحریک کے ایک اہم رکن بن گئے۔ اس زمانے میں ان کی ملاقات مشہور انقلابیوں سے ہوئی جن میں اروند گھوش اور شیام سندر چکرورتی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے ایک خفیہ

(ا) برہان (سہ ماہی) دہلی۔ جنوری تا مارچ ۱۹۹٦ء (ص۔ ۱۷)

انقلابی گروہ قائم کیا تھا جو تشدد پسند سیاست کا حامی تھا۔ مولانا آزاد کے قریبی دوست عبدالرزاق ملیح آبادی اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"یہ واقعہ کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ شروع شروع میں مولانا تشدد پسند انقلابیوں کے ساتھ تھے اور ہندوستان میں مسلح بغاوت کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔ ایک طرف بنگال کے انقلابیوں سے تعلقات استوار تھے، دوسری طرف سرحد کے قبائل میں ان کے آدمی کام کررہے تھے۔۔۔ جب میں ان کے رفاقت میں (۱۹۲۰ء) آیا تو اس وقت مولانا مسلح بغاوت ہی کے قائل تھے۔ ایک دفعہ خود مجھے ایک جگہ بھیجا گیا تھا اور میں دو درجن پستول لے آیا تھا جو انہوں نے کسی اور کے پاس بھیج دئے تھے، مگر اسی زمانے میں ان کے خیالات میں تبدیلی ہوئی اور وہ سمجھ گئے تھے کہ ہتھیاروں کے زور سے انگریزوں کو نہیں نکالا جاسکتا۔" (۲)

۱۹۰۸ء میں مولانا آزاد عراق، مصر اور ترکی کے سفر پر روانہ ہوئے۔ عراق میں ان کی ملاقات مصطفےٰ کمال پاشا کے پیروؤں سے ہوئی جو ہفتہ وار اخبار بھی شائع کرتے تھے اور قاہرہ میں "ینگ ٹرکش" مرکز بھی قائم کر رکھا تھا۔ مولانا آزاد نے ان تحریکی رہنماؤں سے تعلقات پیدا کرلئے۔ ان سے تبادلہ خیال کے نتیجے میں مولانا یہ سمجھ چکے تھے کہ ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں مسلمانوں کی شمولیت ناگزیر ہے۔ انہوں نے ہندوستانی سیاست میں عملی طور پر حصہ لینے کا پختہ عزم کرلیا۔ انہوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ مسلمانوں کو بیدار کرنے اور ان کے دلوں میں جذبہ انقلاب پیدا کرنے کے لئے اخبار کی اشاعت بہترین ذریعہ ابلاغ ہے۔ انہی خیالات کو لے کر وہ ہندوستان آئے اور جون ۱۹۱۲ء میں "الہلال" جاری کیا۔ "الہلال" نے بہت کم مدت میں اتنی مقبولیت حاصل کرلی کہ برطانوی حکومت بوکھلا گئی۔ مولانا آزاد اس سلسلے میں خود لکھتے ہیں۔

"اس وقت مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی علی گڈھ پارٹی کے ہاتھ میں تھی جس کے اراکین سرسید کی پالیسی کے امین تھے۔ ان کا بنیادی عقیدہ تھا، مسلمانوں کو برطانوی تاج کا وفادار اور قومی تحریک سے الگ اور بے تعلق رہنا چاہیے۔ "الہلال" کی دعوت کو انہوں نے اپنے وقار کے لئے خطرہ سمجھا۔ انہوں نے نہ صرف "الہلال" کی مخالفت شروع کردی بلکہ اڈیٹر کے بھی دشمن ہوگئے۔ اور اسے قتل کی دھمکیاں دی جانے لگیں۔ "الہلال" کی مقبولیت صرف ایک مخصوص

(۲) ذکر آزاد (مولانا آزاد کی رفاقت کے اڑتیس سال) عبدالرزاق ملیح آبادی۔ (ص۔ ۲۷۲)

طبقے کو ہی نہیں کھٹکتی تھی بلکہ حکومت بھی اس کو اپنے لئے خطرہ سمجھتی تھی۔ چنانچہ ضمانتیں طلب اور ضبط ہونے لگیں اور آخر ۱۹۱۵ء کو پریس ہی ضبط ہوگیا۔ پانچ ماہ کے وقفے کے بعد "البلاغ" جاری کیا۔ حکومت کو یہ بھی پسند نہ آیا۔ بار بار ضمانتیں طلب اور ضبط کرنے میں حکومت کے وزن و وقار کو بھی دھکا لگتا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک ہی بار اپنا لہاری ہتھوڑا چلا دیا اور ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت اس نے اڈیٹر کو ہی کلکتہ بدر کردیا۔" (۴)

"الہلال" بند ہوجانے کے بعد مولانا آزاد کو چاروناچار بہار میں رانچی کے پاس "موراباری" گاؤں میں مقیم ہونا پڑا۔ وہاں انہوں نے رانچی شہر کے مسلمانوں میں اصلاح و بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی۔ انہیں مذہب اور علم کی طرف توجہ دلا کر مسجدوں کو آباد کیا۔ انہوں نے وہاں کی جامع مسجد میں تقریباً ایک سال تک درس قرآن بھی دیا۔ رانچی میں ان کا بیشتر وقت تصنیف و تالیف میں گذرا۔ اس کی مختصر تفصیل مولانا سید سلیمان ندوی نے اس طرح بیان کی ہے۔

"ترجمان القرآن اسی زمانے میں ختم ہوا۔ البیان اور تفسیر قرآن کا جامع تصنیف کا سلسلہ ۲۳ پاروں تک پہنچا۔ فقہ اسلامی پر بغیر فریقانہ تعصب کے صرف کتاب و سنّت کو پیش نظر رکھ کر متعدد رسائل الصلوٰۃ، الزکوٰۃ، الحج، النکاح ترتیب دئے۔۔۔ علامہ ابن تیمیہؒ، علامہ ابن قیمؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے سوانح حیات قلمبند کئے۔" (۵)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا آزاد اپنی سیاسی مصروفیات کے باوجود بھی علمی و دینی کاموں میں مشغول رہے اور سب سے زیادہ دینی و علمی کام انہوں نے اسی چار سالہ نظر بندی کے دوران کیا۔ جب وہ رانچی میں نظربند تھے اس وقت گاندھی جی بھی وہاں آئے تھے لیکن حکومت نے انہیں ملنے کی اجازت نہیں دی۔ ۱۹۲۰ء میں حکیم اجمل خان نے دہلی میں مولانا کی ملاقات گاندھی جی سے کروائی۔ قاضی محمد عبد الغفار اس ملاقات کی اہمیت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ہندوستان کی سیاست کے اس انقلابی دور میں مولانا کی پہلی ملاقات مہاتما گاندھی سے ۱۸ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں ہوئی۔۔۔ اس موقع پر آنجہانی تلک بھی موجود تھے اور وہی دن تھا جب

---

(۴) مولانا ابوالکلام آزاد۔ (شخصیت اور کارنامے) مرتبہ خلیق انجم۔ مولانا آزاد کی سیاسی بصیرت۔ پروفیسر عابد پشاوری (ص۔۲۲۰)

(۵) مولانا ابوالکلام آزاد تحریک آزادی و یکجہتی۔ مرتبہ خان عبد الودود خان۔ رانچی کا نظر بند۔ علامہ سید سلیمان ندوی (ص۔۷)

مولانا اور مہاتما گاندھی کے درمیان محبّت اور خلوص کا ایسا رشتہ قائم ہوا جو مہاتماجی کے آخری دم تک رہا۔" (۶)

گاندھی جی نے صرف دو تین ملاقاتوں ہی میں مولانا آزاد کا سیاسی اندازِ فکر بدل دیا۔ وہ عدم تشدد کے قائل ہوگئے اور زندگی بھر اس پر عمل پیرا رہے۔ اس زمانے میں ترکی میں مسئلہ خلافت کی وجہ سے ہندوستانی مسلمان ذہنی طور پر بہت پریشان تھے۔ خلافت کے مسئلے پر ہندوستانی مسلمانوں کے رویّے سے گاندھی جی، لوکمانیہ تلک اور دوسرے کانگریسی رہنما متفق تھے۔ چنانچہ انہوں نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تحریک خلافت کے بارے میں پروفیسر محمود الٰہی لکھتے ہیں۔

"تحریک خلافت کے جلسے ہر سطح پر ہوتے تھے۔ مرکزی سطح پر، صوبائی سطح پر، ضلعی سطح پر اور کبھی کبھی تحصیل کی سطح پر بھی۔ اکثر جلسوں میں صدارتی خطبات بھی پڑھے جاتے تھے۔" (۷)

اسی دوران گاندھی جی نے ہندوستانیوں کو قانون ساز جماعتوں میں ہر طرح سے حصہ لینے سے باز رکھا۔ یہ تحریک عدم تعاون تحریک کے نام سے مشہور ہوئی۔ مولانا آزاد نے گاندھی جی کی بھرپور تائید کی۔ ضامن علی خان، مولانا کے سیاسی طرز فکر کی تبدیلی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"آزاد کا سیاسی عقیدہ آزادی، اتحاد اور جمہوریت تھا۔ جب تقسیم بنگال نے ملک کو ایک زبردست طوفان میں مبتلا کردیا تھا اس وقت تشدد پر یقین رکھنے والے انقلابیوں کے ساتھ مشترک ہونے کی جانب وہ راغب تھے تاکہ گورنمنٹ سے مسلح بغاوت کی تنظیم کی جائے۔ بعد کو انہیں تشدد کے طریقے کا فضول ہونے کا یقین ہوگیا۔ انہوں نے جوش کے ساتھ عدم تشدد پر مبنی ترک موالات کے پروگرام کو اپنا لیا۔" (۸)

چنانچہ عدم تعاون تحریک اور ترک موالات کا منصوبہ بن گیا۔ اس کے بعد الہ آباد میں کل ہند خلافت کانفرنس میں مولانا آزاد نے کثیر تعداد میں مسلمانوں کو اپنا حامی بنا لیا اور عوامی سطح

---

(۶) مولانا ابوالکلام آزاد (شخصیت، سیاست اور پیغام) رشیدالدین خان (ص۔ ۳۳)
(۷) انتخاب خطبات خلافت۔ مرتبہ پروفیسر محمود الٰہی (ص۔۹)
(۸) جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین۔ مرتب ضامن علی خان (ص ۔ ۲۴۳)

پر کافی تعداد میں اس پروگرام میں لوگوں نے حصہ لیا۔ کراچی میں خلافت کانفرنس کے منظور شدہ ریزولیشن کے تحت مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور دوسرے رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان کی گرفتاری کی خبر پاتے ہی مولانا آزاد نے کلکتے کے ہالی ڈے پارک میں ایک جلسہ کا اعلان کیا۔ اس جلسے میں بیس ہزار سے زائد لوگوں نے شرکت کی۔ مولانا آزاد نے فرمایا۔

"ہندوستان ماضی کی سرحدوں سے نکل چکا ہے اور مستقبل دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ یہ تغیر کا موسم ہے، تخم کا موسم ہے، تخم ریزی کی فصل ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی جان لڑا دیں اور ہر مقام پر اس غرض سے جلسے منعقد کریں۔" (۹)

مولانا کی اس تجویز کا یہ اثر ہوا کہ پورے ہندوستان میں جگہ جگہ جلسے ہونے لگے اور کراچی ریزولیشن کی حمایت کی گئی۔ مولانا آزاد اس سلسلے میں کراچی، بمبئی، آگرہ اور دوسرے مقامات پر بھی گئے اور اسی طرح کی تقریروں سے عوام کو بیدار کیا۔

۱۹۲۳ء میں کانگرس کا ایک خاص سیشن منعقد ہوا جس میں مولانا آزاد نے کانگریسی لیڈروں کے اختلافات کو سلجھا کر ان میں مفاہمت کروادی۔ مولانا آزاد کے سیاسی کردار پر سبھی کانگریسی لیڈروں کو اعتماد تھا۔ چنانچہ اتفاق رائے سے انہیں کانگریس کا صدر بنایا گیا۔اس وقت ان کی عمر صرف پینتیس سال کی تھی۔

۱۹۳۰ء میں گاندھی جی نے نمک کی ستیہ گرہ شروع کی تو حکومت نے اس تحریک کو دبانے کے لئے بہت سخت اقدامات کئے اور کانگریس کے اراکین کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ مولانا آزاد کو بھی گرفتار کرلیا گیا۔ یہ لڑائی تقریباً ایک سال تک جاری رہی۔ چنانچہ ایک سال تک انہیں بھی دہلی میں قید کی مدت گذارنی پڑی۔

۱۹۳۸ء میں کانگریس میں صدارت کے لئے انتخاب ہوا اور وہ دوبارہ اس انتخاب میں کامیاب ہوئے۔ اس سلسلے میں خود مولانا آزاد یوں رقمطراز ہیں۔

"میں سمجھتا تھا کہ جنگ نے جو نازک حالات پیدا کردئے ہیں، ان میں مجھے جس حیثیت سے بھی کہا جائے، خدمت کرنے کو تیار ہونا چاہئے۔ جب گاندھی جی نے پھر مجھ سے صدر بن جانے کو کہا تو میں خوشی سے راضی ہوگیا۔" (۱۰)

---

(۹) تحریک آزادی (مولانا ابوالکلام آزاد) انور عارف (ص ۔ ۱۳۲)

(۱۰) ہماری آزادی (مولانا ابوالکلام آزاد) مکمل متن۔ تیس برس بعد کی اشاعت۔ مترجم شمیم حنفی (ص ۔ ۶۸)

اس زمانے میں بیشتر ممالک جنگ عظیم کی لپیٹ میں آچکے تھے اور دوسرے ممالک بھی باری باری جنگ میں شریک ہونے پر مجبور تھے۔ اس صورتحال میں کانگرس کو بھی اپنا دامن بچانا مشکل ہوگیا تھا لیکن گاندھی جی اس سے متفق نہیں تھے۔ اس کے برعکس مولانا آزاد چاہتے تھے کہ ہندوستان کو جنگ میں حصہ لینا چاہئے لیکن گاندھی جی کی عدم تشدد پالیسی کے آگے وہ بے بس ہوگئے۔ اس دورِ انتشار میں گاندھی جی نے "محدود سول نافرمانی" کی تحریک شروع کردی۔ اس تحریک میں اس بات پر زور دیا گیا کہ ہندوستان جنگ سے نہ صرف گریز کرتا ہے بلکہ وہ جنگ سے متعلق تمام سرگرمیوں کے بھی خلاف ہے۔ اس سلسلے میں دوسرے رہنماؤں کے ساتھ مولانا آزاد کو بھی گرفتار کرلیا گیا اور انہیں دو سال کی قید ہوئی۔

اسی زمانے میں جرمنی نے روس پر حملہ کردیا اور کچھ ہی عرصے بعد جاپان نے امریکہ پر حملہ کردیا اور جنگ کی آگ تقریباً پوری دنیا میں پھیل گئی۔ جاپان نے ملایا، سنگاپور اور برما پر قبضہ کرلیا اور اب ہندوستان پر اس کی نظر تھی۔ برطانوی حکومت نے مجبور ہو کر مولانا آزاد اور پنڈت نہرو وغیرہ کو رہا کردیا۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے انتہائی غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اگر برطانیہ، ہندوستان کو آزاد کردے تو ہندوستان کو اس جنگ میں شریک ہو کر دنیا کی جمہوری طاقتوں کا ساتھ دینا چاہیے۔ برطانوی حکومت نے ہندوستان کی آزادی سے تو انکار کردیا لیکن موجودہ صورتحال کی نزاکت کو مدنظر رکھ کر انہوں نے ہندوستانیوں کو بہت سی مراعات دینے کا وعدہ کیا اور یہ بھی کہا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ہندوستان کو آزاد کردیا جائے گا۔ اس موضوع کو لے کر مولانا آزاد اور کرپس مشن میں کافی دنوں تک گفتگو جاری رہی لیکن کوئی خاطر خواہ حل نہیں نکل سکا اور یہ گفتگو ناکام ثابت ہوئی۔

۱۹۴۲ء میں گاندھی جی نے "ہندوستان چھوڑو" تحریک شروع کی۔ بمبئی میں کانگرس کا اجلاس ہوا۔ اس میں ورکنگ کمیٹی کا رزولیشن پیش کیا گیا جسے کافی تعداد میں لوگوں نے منظور کرلیا۔ اس سلسلے میں پنڈت نہرو، مولانا آصف علی، ڈاکٹر سید محمود اور سردار پٹیل وغیرہ کے ساتھ مولانا آزاد کو بھی گرفتار کرلیا گیا۔ مولانا آزاد احمد نگر جیل میں پہنچا دیے گئے۔ یہیں انہوں نے اپنے دوست حبیب الرحمٰن شروانی کے نام وہ خطوط لکھے جو بعد میں "غبار خاطر" کی شکل میں دنیا کے سامنے آئے۔

۱۹۴۵ء میں مولانا آزاد نے کانگرس کے صدر کی حیثیت سے شملہ گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔ اس کانفرنس کے وائسرائے لارڈ ویول نے پھر وہی تجویز پیش کی کہ اگر اس وقت کانگرس حکومت کا ساتھ دے تو جنگ کے بعد ہندوستان کو آزاد کردیا جائے گا۔اپنے تمام صدراتی اختیارات کے باوجود مولانا آزاد نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور دوسرے اجلاس میں چند شرائط کے ساتھ لارڈ ویول کی تجویز منظور کرلی گئی۔

شملہ میں دوسری گول میز کانفرنس منعقد ہوئی تو کانگرس اور مسلم لیگ کے اراکین دائیں بائیں بٹھائے گئے۔ مولانا آزاد کانگرس کے صدر تھے اور محمد علی جناح مسلم لیگ کی نمائندگی کررہے تھے۔ مولانا نے کانگرس کی طرف سے یہ تجویز رکھی کہ ایگزیکٹیو کاؤنسل میں تمام اراکین ہندوستانی ہوں اور اس میں اقلیتوں کو بھی نمائندگی دی جائے تب ہندوستان اس جنگ میں کھل کر حصہ لے گا۔ کانگرس اس بات پر متفق تھی لیکن محمد علی جناح اس کے مخالف ہوگئے۔ انہوں نے کہاکہ مسلم اراکین کو مسلم لیگ نامزد کرے گی۔ یہ بحث اتنی طویل ہوگئی کہ شملہ کانفرنس ناکام ہوگئی۔

اسی زمانے میں امریکہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم گرا کر جاپان کی فوجی طاقت کو نیست و نابود کردیا اور جنگ تقریباً اختتام کی منزل پر آگئی۔ اسی دوران لارڈویول نے اسمبلیوں کے عام انتخابات کا اعلان کیا۔ اس اعلان سے کچھ پہلے انگلستان کے عام انتخابات میں لیبر پارٹی نے نمایاں کامیابی حاصل کی تھی۔ مولانا آزاد جانتے تھے کہ لیبر پارٹی ہندوستان کی ہمیشہ سے ہمدرد رہی ہے ۔چنانچہ انہیں اس اعلان سے امید کی شعاع پھوٹتی نظر آئی۔ ان کا خیال تھا کہ انتخابات میں حصہ لیا جائے لیکن بعض اراکین اس پر راضی نہیں تھے۔ مولانا آزاد نے سمجھا بجھا کرانہیں انتخابات میں حصہ لینے پر آمادہ کرلیا لیکن ساتھ ہی لارڈ ویول سے یہ مطالبہ بھی کیا کہ تمام ہندوستانی سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے۔ کافی پس وپیش کے بعد لارڈ ویول نے تمام قیدیوں کو رہا کردیا۔

کانگرس نے انتخابات میں کھل کر حصہ لیا اور نتیجے کے طور پر پنجاب اور سندھ کے علاوہ بقیہ صوبوں میں وہ سب سے بڑی جماعت بن کر ابھری۔ بنگال میں مسلم لیگ سب سے بڑی پارٹی کی حیثیت سے سامنے آئی۔ چونکہ کانگرس سب سے بڑی طاقت تھی اس لئے وزارتوں کی

تشکیل کا حق بھی اسی کو حاصل تھا۔ مولانا آزاد نے وزارتیں بنانے کے معاملے میں انتہائی کشادہ دلی سے کام لیا۔ انہوں نے حکمت عملی سے کام لے کر ایسی وزارت کی تشکیل کی، جس میں یونینسٹ پارٹی اور کانگرس دونوں شامل تھیں۔ سیاسی حلقوں میں مولانا کی اس حکمت عملی کو بہت سراہا گیا۔

۱۹۴۶ء میں ملک کے حالات یکسر بدل چکے تھے۔ ہر ہندوستانی جذبہ آزادی سے سرشار تھا۔ برطانیہ کی لیبر حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ ہندوستان کی آزادی کے سلسلے میں ایک کیبنٹ مشن ہندوستان بھیجا جائے۔ چنانچہ سر اسٹیفرڈ کرپس کی سربراہی میں یہ مشن دلی آیا۔ اس مشن میں سب سے پہلے فرقہ وارانہ مسئلے پر بحث ہوئی۔ مولانا آزاد سیاسی مبصر تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس کا حل پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کی حکومت قائم کی جائے۔ تاکہ آزاد ہندوستان میں ان کی حیثیت اور مرتبہ محفوظ رہے۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ رسل و رسائل اور امور خارجہ مرکزی حکومت کے تحت ہی رہیں گے تاکہ جمہوریت کو بھی دھکا نہ پہنچے۔ مشن کے اراکین مولانا کی اس پیشکش سے بہت متاثر ہوئے۔ تفصیلی گفتگو کے بعد یہ اسکیم منظور کرلی گئی اور بعد میں اسے شائع کردیا گیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا نے اس پلان کے متعلق کانگرس کے کسی رہنما سے مشورہ نہیں کیا تھا۔ چونکہ اس اسکیم کی بنیاد مولانا آزاد کی تجویز پر تھی اس لئے کانگرس کے سبھی ارکین اس پر متفق ہوگئے لیکن محمد علی جناح اس اسکیم کے خلاف ہوگئے اور بعد میں خلاف توقع اس کی حمایت بھی کرنے لگے۔ چنانچہ اتفاق رائے سے کیبینٹ مشن پلان منظور کرلیا گیا۔

کانگرس میں نئی صدارت کے لئے آواز بلند ہوئی اور بعض اراکین کی جانب سے سردار پٹیل کا نام تجویز کیا گیا۔ بعض اراکین چاہتے تھے کہ مولانا آزاد ہی اس عہدے پر قائم رہیں۔ اختلاف اس قدر بڑھ گیا کہ گاندھی جی نے جواہر لال نہرو کا نام صدارت کے لئے پیش کردیا اور مولانا آزاد نے اس کی تائید کردی۔ بالآخر اتفاق رائے سے پنڈت جواہر لال نہرو کانگرس کے صدر بن گئے۔ صدارت کے عہدے پر فائز ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک کانفرنس میں خلاف توقع یہ بیان دے دیا۔

"کانگرس نے محض دستور ساز اسمبلی میں شرکت کا وعدہ کیا ہے اور وہ اپنے کو کیبنٹ مشن

پلان میں تبدیلی اور کمی بیشی کرنے کا مجاز سمجھتی ہے۔" (۱۱)

جواہر لال نہرو کے اس بیان نے ہندوستان کی تاریخ بدل کر رکھ دی۔ مولانا آزاد جواہر لال نہرو سے بہت محبت رکھتے تھے لیکن انہوں نے اس بیان کی سخت مذمت کی اور اس کے غلط اثرات سے بھی انہیں آگاہ کیا۔ مولانا آزاد کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان خلیج بڑھتی گئی اور محمد علی جناح نے اس بیان کو لے کر بہت واویلہ مچایا۔ یہاں تک کہ ماؤنٹ بیٹن مشن نے وہائٹ پیپر شائع کر دیا جس میں ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا مطالبہ تھا۔ مولانا آزاد نے اس سلسلے میں فرمایا۔

"اسکیم کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ مجموعی اعتبار سے ہندوستان ہی کے لئے نہیں، مسلمانوں کے لئے خاص طور پر مضرت رساں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جتنے مسائل حل کرتی ہے اس سے زیادہ مسئلے پیدا کرتی ہے۔" (۱۲)

لیکن اس وقت ہندوستان کی سیاسی حالت ناگفتہ بہ تھی اور حالات مولانا آزاد کی گرفت سے باہر ہو چکے تھے۔ بالآخر ۱۴، اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کا قیام عمل میں آگیا۔ ملک کی تقسیم کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے گاندھی جی کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے، تقسیم کی تجویز سے آپ کو کتنی تکلیف پہنچی ہوگی۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ کو میری وجہ سے یہ صدمہ پہنچا ہے کیونکہ بہرحال یہ تجویز میری ہی بنائی ہوئی ہے۔" (۱۳)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا آزاد کانگرس کے واحد رہنما تھے جو آخری وقت تک ملک کی تقسیم کے خلاف تھے۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد گاندھی جی نے ان سے اصرار کیا کہ وہ تعلیمات کا عہدہ سنبھال لیں۔ مولانا انکار نہ کر سکے اور جنوری ۱۹۴۷ء کو انہوں نے بحیثیت وزیر تعلیم یہ عہدہ سنبھال لیا۔ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۱ء تک وہ دستور ساز اسمبلی کے ممبر بھی رہے۔ کانگرس پارلیمنٹری پارٹی کے نائب صدر کی ذمہ داری بھی انہوں نے سنبھالی تھی۔

---

(۱۱) مولانا ابوالکلام آزاد (شخصیت اور کارنامے) مرتبہ خلیق انجم (ص۔ ۱۰۵)

(۱۲) ہماری آزادی (مولانا ابوالکلام آزاد) مکمل متین۔ تیس برس بعد کی اشاعت۔ مترجم شیم حنفی۔ (ص۔ ۱۹۱)

(۱۳) آدھی رات کی آزادی۔ اردو تخلیص و ترجمہ۔ سعید سہروردی (ص۔ ۱۳۵)

۱۹۵۲ء میں پہلا الکشن ہوا اور مولانا آزاد رام پور سے منتخب ہوئے اور وہ وزیر تعلیم کے ساتھ نیچرل رسورسز اور سائنٹفک ریسرچ مقرر کئے گئے۔ ۱۹۵۵ء میں وہ دوبارہ کانگرس پارٹی کے نائب صدر بنے۔ یونیسکو کی نویں عام کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی تو انہیں وزیر تعلیم کی حیثیت سے اس کانفرنس کا صدر بنایا گیا۔ اپنی زندگی کے آخری وقت تک وہ وزیر تعلیم کے عہدے پر فائز رہے۔

وفات:

۱۹، فروری ۱۹۵۸ء کو مولانا آزاد حسب معمول علی الصبح اٹھ کر غسل خانے میں گئے اور اچانک آپ کے جسم پر فالج کا حملہ ہوا۔ مسلسل تین روز تک وہ درد کی شدت سے بے ہوش رہے۔ دو ایک بار ہوش میں آئے تو قریب بیٹھے ہوئے لوگوں میں کچھ کو پہچانا۔ اسی وقت جواہر لال نہرو قریب آئے تو ان کو وہ پہچان گئے۔ انہیں خدا حافظ کہہ کر پھر بے ہوش ہوگئے۔ در حقیقت سفر آخرت کی تیاری ہو چکی تھی۔ انہوں نے ڈاکٹروں کے آکسیجن گیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے پنجرے میں کیوں بند کر رکھا ہے۔ بس اللہ پر چھوڑیئے۔" (۱)

دستور دنیا کے مطابق علاج و معالجہ میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی لیکن اللہ کی مرضی کے آگے سب بے بس تھے۔ مقررہ ساعت تیزی سے قریب آگئی اور ۲۲، فروری ۱۹۵۸ء کو سوا دو بجے شب کو امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے اس دار فانی کو خیر باد کہہ دیا اور رحمت الٰہی میں پہنچ گئے۔ ان کے آخری لمحات حیات کے بارے میں عبدالماجد دریا بادی نے لکھا تھا۔

"ڈاکٹر عبداللطیف۔۔۔ کے بیان سے معلوم ہوا کہ مرحوم جب سے غش کھا کر گرے، پھر ہوش نہ آیا اور نہ ہی کچھ بول سکے۔ صرف ایک بار وقت وفات سے چند گھنٹے قبل ذرا سے آثار ہوش آنے کے معلوم ہوئے۔ ڈاکٹری تدبیروں سے سخت کرب و اذیت میں تھے، ہونٹ ہلے اور آواز صرف اتنی سنائی دی کہ چھوڑو، بس خدا پر چھوڑ دو! اور بس پھر کوئی آواز اس عالم آب و گل میں نہ نکل سکی۔ مبارک اور خوش قسمت ہے وہ مسلمان جس کی زبان کا آخری کلمہ

---

(۱) مولانا ابوالکلام آزاد (شخصیت اور کارنامے) مرتبہ خلیق انجم (ص۔ ۱۴۴)

خدا کا نام ہو۔ مضطرب کی آخری پکار چارۂ ساز حقیقی کے نام کی۔" (۲)

۲۲، فروری ۱۹۵۸ء کو امام الہند مولانا آزاد کو دہلی کے پریڈ گراؤنڈ میں دفن کیا گیا جو جامع مسجد اور لال قلعے کے درمیان واقع ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا احمد سعید، مولانا حفظ الرحمٰن اور بخشی غلام محمد نے تکفین و تدفین کے تمام انتظامات کروائے تھے اور مولانا احمد سعید نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

مولانا آزاد کے انتقال پر ملال سے پورا ملک ماتم کدہ بن گیا تھا۔ ان کے جنازے کے ساتھ لاکھوں کی بھیڑ تھی۔ اخبار کی رپورٹ کے مطابق تقریباً پانچ لاکھ لوگ اس جنازے میں شریک تھے۔

---

(۲) ایوان اردو (دہلی) مولانا ابوالکلام آزاد نمبر ۔ دسمبر ۱۹۸۸ء مولانا آزاد کے آخری لمحات (ص ۔ ۸۶)